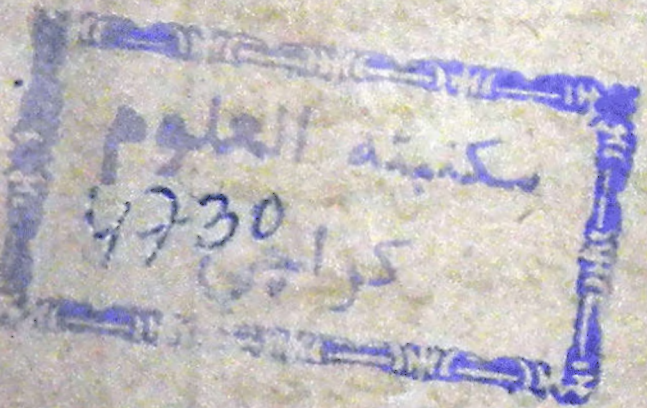


۱۱
سلسلہ اشاعت امامیہ شریعت پاکستان رجب ط ۲۳

اسلامی تمدن

HABIB ELECTRIC TRADING CO.



از قلم حقیقت رقم

سرکار سید العلماء علامہ علی نقی نقوی مجتہد العصر مدظلہ العالی

قیمت

امامیہ مشن پاکستان ریسرچ ڈسٹریبیوٹ

کی تئیسویں تبلیغی خدمت "اسلامی تمدن" آپ کے زیر نظر ہے۔ ۱۹۵۵ء کے ایام محرم و صفر میں مفکر اسلام دورِ حاضر کے بطلِ حبیب بن الاوامی عزت و عظمت کے حامل سرکارِ سید العلماء علامہ علی نقی النعوتی مجتہد العصر نے لاہور ایسے علمی مرکز میں مختلف مشترک موضوعات پر اپنے بیانات سے علم و عرفان کے دریا بہا دیئے۔ بلند علمی حلقوں میں ایک تہا مکہ جمع کیا۔ چنانچہ لاہور کا پوریشن کے ذمہ دار افسران کے زیرِ اہتمام گولبارغ میں "اسلامی تمدن" کے عنوان پر مولانا کے لیکچر کا بڑے ٹھاٹھ سے انتظام کیا گیا۔ حاضری امید سے بڑھ کر تھی۔ ہیردن لاہور کے متاثرین بھی بہ تعداد کثیر شریک جلسہ ہوئے۔ اور اجتماع مجید کا بیاب رہا تعلیمات اسلام کی شانِ کبر جامعیت کے قابلِ فخر اثرات ہر دلِ مرغ پر مرتسم ہو گئے۔ اس بلندی پر تقریر کو افسران کا پوریشن نے خاص مشن کے ذریعہ ریکارڈ کر لیا تھا۔ امامیہ مشن کی استدعا پر مولانا نے اس تقریر کو خود ضبط تحریر میں لا کر جولائی ۱۹۵۶ء کے دورہ پاکستان میں عنایت فرمایا۔ دیکھنے کو چند صفحات کا ایک مختصر کتابچہ ہے مگر جس اعجازی انداز سے اسلام کی عالمگیر تعلیمات کے دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے وہ مولانا کا خاص حصہ ہے جبکہ اندازہ بعد مطالعہ ہوگا۔ دورانِ مطالعہ ذہن میں ایک اذیت دہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام اپنی تعلیم سے اس کرہٴ مسکوں کو جنتِ ارضی بنانے کی ضمانت دیتا ہے تو پھر مسلمانوں کا تمدن ایسا کیوں ہے جس میں "مفاد پرستی" قبیلہ پرودی "خویش پرودی" رشوت ستانی کے چرچے ہر روز بالگوش ہوتے رہتے ہیں اس ذہنی الجھاؤ کا سلجھاؤ تلاش کرتا ہوں تو اسلام کے نظریہ حکومت پر غور فرمائیں جہاں امامت صالحہ کے قیام و اعلان کو باعثِ تکمیلِ دین اور انعامِ نعمت قرار دیا گیا ہے منصبِ امامت جو صدق مطلق اور عدل محض شخصیت کیلئے منحصر ہے۔ اس کو نظر انداز کرنے کے بعد مکمل تعلیم اسلام کی حیثیت اس گہری کی رہ جاتی ہے جس کے تمام پرزے تو ٹھیک ہوں مگر چابی نہ دی گئی ہو۔ اسلام کی نظری تعلیم کا مکمل عملی نتیجہ دیکھنے کے لئے امام معصوم کی قیادت پر ایمان لانا جزو لازم ہے جس پر وعدہ جنت ہے علم و دستِ فرندان اسلام سے امید ہے کہ اس قلیل الحجم و اقل قیمت اور کثیر المنفعت کتابچہ کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر تبلیغ اسلام میں معاونت کا اجر پائیں گے۔

خادمِ دین سید حسن علی شاہ کاظمی جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان ریسرچ ڈسٹریبیوٹ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والشكر على سيد الانبياء
والمرسلين والى الطيبين الطاهرين ۱

اس وقت موضوع سخن "اسلامی تمدن" ہے۔

اسلامی تمدن کے پیش کرنے سے پہلے یہ چیز واضح کر دینے کی ہے کہ دنیا
کے دوسرے مذاہب میں تمدن کی دنیا عقائد سے غیر متعلق چیز ہے مگر اسلام
کے اصول عقائد ہی وہ ہیں جو اسلامی تمدن کی تشکیل کرتے ہیں۔

اسلامی تمدن کا سرچشمہ چار چیزیں ہیں۔ پہلے لا الہ الا اللہ
تیسرے رب العالمین پچھتے مالک یوم الدین یعنی آخرت کی
ہزا و سزا کا تصور

یہی چار وہ چیزیں ہیں جن سے مل کر پورے اسلامی تمدن کی تشکیل ہو جاتی ہے
پہلی چیز جس کا بتانا اسلام کا نصب العین تھا۔ اور وہ لا الہ الا اللہ میں مضمون
ہے وہ عالم کائنات میں خود انسان کا درجہ اور مقام ہے۔ جب انسان اپنے
درجہ کو سمجھ لے گا تو وہ اپنے آئین زندگی کو ایسا ہی رکھے گا۔ جیسا اس کے شایان شان
ہو اور سب مقاصد میں اپنی زندگی کو راسخاں نہ کرے گا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ شے کی بلندی یا اعتبار مقصد کے ہوتی ہے جتنا مقصد
اونچا ہے اسی تناسب سے وہ شے اونچی ہے اور جتنا مقصد سست ہے اسی کے لحاظ سے
وہ شے سست ہے۔ کیونکہ یہ یقینی اصول ہے کہ ذریعہ سے مقصد بلند ہوا کرتا ہے
لہذا اگر انسان نے اپنے مقصد حیات کو سست قرار دیا تو انسان کی زندگی

پستی میں آگئی اور جتنا مقصد حیات بلند ہوا اتنی یہ حیات بلند ہو گئی۔ اس کے بعد جس طرح وہ زندگی جس کے مقاصد لپست ہوں انسانی رفعت کے خلاف ہے۔ اسی طرح ایسی زندگی جس کا کوئی مقصد نہ ہو۔

اسلام کا کلمہ توحید انہی دونوں باتوں کا سد باب کرتا ہے۔ اور اسی میں اس کے تمدن کی تمام رفعت مضمر ہے۔

لا الہ الاہ کی تعلیم نظر انسان میں بلندی پیدا کرتی ہے کہ وہ لپست چیزوں کو مقصد نہ بنائے۔ کیونکہ وہ اس کی انتہائی لپست نظری متھی کہ اس نے مادی حیثیت سے پہاڑوں کو اپنے سے اونچا پایا تو ان پہاڑوں کی پوجا کرنے لگا۔ درختوں کو بار آور سا یہ افکن دیکھا اور اپنے کو ان کا محتاج محسوس کیا تو درختوں کی پوجا کرنے لگا۔ دریاؤں کو دیکھا کہ وہ اس قدر وسعت کے ساتھ فیض پہنچاتے ہیں اور میرے لئے زندگی کی بقا کا سنا بہم پہنچاتے ہیں۔ تو دریاؤں کو معبود سمجھ لیا۔ جس حیوان کو دیکھا کہ اس سے مجھے غذا حاصل ہوتی ہے اسی کو اپنا قتلہ بنا لیا۔ جب انسان کا کام ہو گیا ہر چیز کی عبادت کرنا تو سب چیزیں اس سے ملنے ہوئیں۔ اور یہ سب سے لپست ہوا۔ تو اب اس کا کردار اور نظام معاشرہ بھی بلند کیونکر ہو سکتا ہے اسلام کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ انسان کو کائنات عالم میں اس کا مقام بتائے کہ وہ ہر شے سے بالاتر ہے۔ کوئی شے اس سے بلند تر نہیں ہے جب انسان اپنے درجہ کو پہچان لے گا کہ میں کیا ہوں تو پھر پہاڑوں، درختوں اور حیوانوں کی پرستش نہیں کرے گا۔ پھر اپنے کو صاحبان دولت، ارباب سلطنت اور حکام کے سامنے نہیں جھکے گا۔ یہ اس کی حقیقی آزادی ہوگی۔ کیونکہ آزادی

درحقیقت یہ نہیں ہے کہ جو دل چاہے وہ کرے بلکہ آزادی یہ ہے کہ سچائی اور حقانیت کے خلاف کسی دباؤ کا اثر نہ قبول کرے۔ یہ وہ روح ہے جو لا الہ پیدا کرتا ہے لا الہ نے ہر معبود باطل کو مٹا دیا۔ اسی لئے لا الہ کہا گیا لا صنم نہیں کہا۔ اگر لا صنم کہا جاتا تو ذہن صرف پتھر سونے چاندی وغیرہ کے بتوں کی طرف جاتا۔ مگر لا الہ کہا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی ایسا نہیں جس کی عظمت کے سامنے انسان کو سر جھکانا درست ہو۔ اس لئے ہر آلہ کی نفی کر دی۔ تو جس طرح لات و ہیل کے اقتدار کو مٹا دیا۔ اسی طرح نمرود و شداد کو بھی تخت اقتدار سے اتار کر پھینک دیا۔ بلکہ جس طرح خارجی اصنام تخت الوہیت سے معزول ہوئے اسی طرح داخلی اصنام بھی۔ یعنی ہر وہ جذبہ بھی جو حقانیت اور ضمیر کے فیصلہ کے خلاف انسان کو مجبور کرنا چاہے۔ اب جس طرح سرمایہ کی پھتیش غلط ہے اسی طرح روٹی کو قبلہ بنانا بھی غلط۔ لذت نفس کو اپنا کعبہ بنانا بھی غلط۔ یہ بڑا ہی پوشیدہ صنم تھا جس کا قرآن نے پتہ دیا۔ یہ لکھرا فرامیت من اتخذ الہ ہواہ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا جس طرح لپٹ شے کو مقصد بنانا انسان کی رفعت کے خلاف ہے اسی طرح بے مقصد زندگی بھی بے قیمت ہے۔ اس لئے مطلق طور پر لا الہ کے اقرار کے بعد پھر ایک مرکز بلند کا تصور پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔ جو انسان کا نقطہ نگاہ بن سکے۔ یہ اگر نہ ہو تو خارجی اصنام سے جب آزاد ہو جائیگا تو داخلی اصنام میں گرفتار ہو جائیگا۔ جیسے قرآن کی یہ آیت کہ رہی ہے ”کیا تم نے انہیں بھی دیکھا جو اپنی خود پسند نفس کو اپنا الہ بنائے ہوئے ہیں“ اس تصور کو لا الہ کے بعد لا الہ نے قائم کیا۔ انسان کا معبود اور

کوئی نہیں مگر بس اللہ کی ذات ہے۔ جو اس کا معبود اور مقصد عمل بن سکتی ہے۔
 اللہ کا تعارف صحیح کرایا گیا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کی بندگی انسانی
 آزادی کی روح ہے کیونکہ جیسا پہلے کہا گیا صحیح آزادی یہی تو ہے کہ انسان اپنے بچے
 ضمیر کے فیصلہ کے مطابق جو صحیح اور درست طریق عمل ہو اس کو اختیار کر نیکی طاعت
 رکھتا ہو۔ اور اللہ کون ہے؟ ان اللہ یا مریا لعدل والاحسان وامتاء
 ذی القربى ومنہی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذكرون
 "وہ" وہ ہستی ہے جو عدل و احسان اور جن جن سے جو قرابتیں ہیں ان کے احترام
 پر مامور کرتی ہے اور حدود و حقوق سے قدم آگے بڑھانے، فتنہ و فساد برپا کرنے
 اور نفسانی خواہشوں کی بدگامی سے تم کو روکتی ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کی بندگی ضمیر انسانی کے تقاضوں کے خلاف کوئی
 باریک بینی پر عائد نہیں کرتی حقیقت میں یہ بندگی ہر اس بندہ صحت سے آزادی کا باعث ہے
 جو انسان کو خود اپنے ضمیر کے خلاف غلط راستوں کی طرف لے جانے پر مجبور کیا کرتی ہے۔
 ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ عدل کو پسند کرتا ہے۔ وہ عادل کو دوست
 رکھتا ہے۔ اس طرح افراد انسانی میں اجتماعی حقوق کا تصور قائم کیا اور ظلم و ستم کے
 دروازے بند کئے۔

وہ ضمیر کے خلاف صرف نفسانیت کا تقاضا ہوتا ہے کہ جب ہم صاحب اقتدار
 ہیں تو پہلے اپنی ذات کو فائدہ پہنچائیں۔ پھر اپنے بھائی کو، پھر اپنے مہربان کو، پھر اپنے
 دوستوں اور دور کے عزیزوں کو۔ اب اس میں کچھ اور افراد کو پہلے نقصان پہنچ جائے
 لیکن اللہ کی رضا جوئی کا پہلا نتیجہ عدل ہے۔

اب اگر آپ حج کی کرسی پر ہیں۔ اور آپ کے سامنے دو فریق ہیں۔ ان میں ایک حقیقی بھائی ہے۔ اور ایک غیر ہے۔ اور رُوداد و مقدمہ سے ثابت ہو گیا۔ کہ حق غیر کے ساتھ ہے اور اپنا بھائی نا حق پر ہے۔ تو ہوائے نفس بھی کستی ہو گی کہ بھائی کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔ لیکن خدا پرستی کا تقاضا یہ ہو گا۔ کہ غیر کے حق میں فیصلہ کیجئے۔ چاہے بھائی کے خلاف ہو جائے۔ یہ امتحان ہے خدا پرستی و خود پرستی کا۔ جو خود پرست ہو گا۔ وہ کرسی اقتدار پر آ کر صرف اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچائیگا۔ چاہے حق ان کے خلاف ہو۔ یہ وہی نظریہ ہے جو اہل جاہلیت کا تھا۔ انصرا خاٹ ظالما و مظلوما اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چاہے ظالم ہو اور چاہے مظلوم اس کے مقابلہ میں اسلام کا پیغام یہ تھا کہ حق کا ساتھ دو۔ چاہے بھائی کے ساتھ ہو یا غیر کے ساتھ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے لئے ایک دفعہ فقرہ وہی عرب جاہلیت کا لے لیا۔ اور معنی بدل دیئے۔ کسی شخص نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ عرب کا یہ مقولہ ہے۔ آپ نے فرمایا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ انصرا خاٹ ظالما و مظلوما اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چاہے ظالم ہو، چاہے مظلوم۔ یہ شخص جانتا تھا کہ آپ کی تعلیم اس جاہلی نظریہ کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ ہجرت کی نگاہ سے آپ کی جانب دیکھنے لگا۔ رسالت مآب نے فرمایا۔ کہ اگر تمہارا بھائی

ظالم ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کو ظلم سے روک دو۔ اور اگر
مظلوم ہو تو مدد یہ ہے کہ اس سے ظلم کو دفع کرو۔

اسلامی تمدن کا اجتماعی تعلقات میں یہ پہلا اصول ہے۔ ان اللہ یا امر
بالعدل "اللہ عدل کا حکم دیتا ہے" اِنَّهٗ لَا يَحِبُّ الظَّالِمِيْنَ "وہ
ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔" یہ عدل کا اصول اس وقت کار فرما ہوگا جب
کسی شخص کے سامنے دو آدمی ہوں۔ اور ان میں آپس میں جھگڑا ہو۔ اس
کے بعد دوسری صورت یہ ہے کہ خود اس شخص اور کسی دوسرے کے درمیان
بات پڑ جائے اور غیر کا معاملہ ہو۔ تو اس وقت خواہش نفس کا تقاضا تو یہ
ہے کہ ہم اپنا مطلب حاصل کریں۔ چاہے حق ہمارا نہ بھی ہو۔ یہ تو
عدل ہی کے خلاف ہے۔ جو پہلا اصول ہے لیکن ہم اگر بہت اصول
کے پابند ہیں تو یہ چاہیں گے کہ جب حق ہمارا ہے تو ہم اسے ضرور ہی حاصل
کر لیں۔ اس موقع کے لئے تمدن اسلامی ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے
اور وہ ہے احسان کا حکم جسے عدل کے بعد ذکر کیا ہے۔ ان اللہ یا امر
بالعدل والاحسان۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے حق سے تجاوز نہ کریں۔ یہاں تک تو عدل ہے
اس کا لحاظ تو بہر حال ضروری ہے۔ مگر جب تم خود صاحبِ حق ہو، اور
متمنِ اہل معاملہ غیر کے ساتھ پڑ گیا ہو تو بہتر یہ ہے کہ دوسرے سے عدل کے
مطالبہ کو بھی نظر انداز کر دو۔ اور اپنا حق اس کی خاطر چھوڑ دو۔ یہ ہوگا احسان
اسی بننا کہ مقتول کے ورثا کو قصاص کا حق دینے کے بعد بھی کہا گیا کہ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ " اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ " اس کے بعد جہاں تک عدل کی شرط کو پورا کرنا ہے، دوسروں کے حقوق کا معاملہ ہے۔ اور احسان کی دعوت دی گئی ہے۔ وہاں قرابتوں اور رشتوں کے پاس و لحاظ اور حسن سلوک میں ترجیحی خصوصیت کے لحاظ کی بھی دعوت دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے ارشاد ہوا۔
 اِنَّ اللّٰهَ يٰۤاُمِرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيتٰكَ ذٰى الْقُرْبٰى - اس طرح اصول تمدن ترتیب کے ساتھ یہ قائم ہوئے:-
 ۱، عدل - جس کا لحاظ حقوق غیر میں ناگزیر ہے۔
 ۲، احسان

۳، ذوی القربا کے ساتھ خصوصی حسن سلوک

اب یہ قرابت کا تصور فقط مادی نقطہ نظر سے ہوتا تو وہ بہت محدود ہے۔ مگر اسلام نے اس میں بھی وسعت پیدا کی ہے۔ مادی رشتوں سے قرابت بھی بہر حال قرابت ہے۔ مگر اس سے آگے کچھ اور دائرے قرابت کے بھی انسان کو بتا دیئے۔ جس میں سے ایک دوسر کو محیط ہے اور اس کی وجہ سے نگاہ و مسلم میں بین العالی آفاقیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وسعت نگاہ کی بنیاد وصف الہی رب العالمین پر ہے کہ جس پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔

مادی اعتبار سے جب انسان تعلقات قائم کرے گا، تو اپنی ذات سب سے زیادہ قریب محسوس ہوگی۔ پھر وہ کہ جن جن سے اپنی ذات

کے براہِ راست رشتے ہیں۔ جیسے ماں، باپ اور اولاد۔ پھر احباب
 ہمسائے اور شناسا۔ یہ وہ رشتے ہیں جو اپنی ذات کو بیچ میں رکھ کر قائم
 ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اپنی ذات محدود ہے۔ لہذا ان رشتوں کا تصور
 زیادہ سے زیادہ چار پانچ پشتوں میں عزیز داری پیدا کرتا ہے۔ سلسلہ
 اس سے آگے بڑھا تو پھر انسان کوئی عزیز داری محسوس نہیں کرتا اور
 ایک منزل ایسی آتی ہے کہ الفت و محبت کا کوئی سبب معلوم نہیں رہا۔
 اسلام نے انسان کو یہ تصور پیدا کیا کہ جب وہ اپنی ذات سے
 آگے بڑھے تو سب سے پہلے یہ سوچے کہ میرا پیدا کرنے والا اور میرا
 پروردگار کون ہے؟ اس طرح خط قرابت ادھر ادھر پھیلنے کے بجائے
 ایک دم بلندی کی طرف چلا گیا۔ اب ادھر جا کے اگر اس کی نگاہ کے
 سامنے صرف خالق کے صفات جمال و کمال ذات ہی رہ گئے تو
 یہ ان جلووں میں ایسا کھوئے گا کہ یہ اب خلق کی طرف رجوع ہی نہ کرے گا
 اس لئے کہ وجوب وجود کے کمالات کی بجلی اس کی نگاہوں کو ایسا خیرہ
 کر دے گی کہ وہ ممکنات کو لاشے محض سمجھ لے گا۔ اب اس کی نظر میں
 کوئی آتا ہی نہ ہوگا۔ اسی طریق تصور کا نتیجہ ہوا۔ ہبانیت۔ اب انسان
 پہاڑوں پر نکل گیا۔ بیوی بچوں سے قطع تعلق کیا۔ جنگلوں میں بے سرو سامان
 پھرنے لگا۔ اس طرح یہ فرد اپنی نوع سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ یہ خالق
 کے مقصد کے خلاف ہے۔ اس نے اسے نوع انسان میں پیدا کیا
 ہے۔ تو وہ اسے اس کل کا ایک نائدہ رسالہ بجز رکھنا چاہتا ہے۔

اس کے لئے اسلام نے اللہ کے کمال ذات کے تصور کے ساتھ فوراً بلا فاصلہ ذہن کو ادھر منتقل کیا۔ کہ اس کا رشتہ کن کن سے ہے۔ اب اگر اس کا رشتہ صرف ایک خاندان سے ہوتا تو نگاہ اس خاندان پر جماتی اگر ایک ملک سے ہوتا تو نگاہ اس ملک پر پڑتی۔ مگر وہ تو ہے لا محدود اس لئے اسلام نے اس کا تعارف کرایا کہ الحمد للہ رب العالمین اس طرح بتایا کہ اللہ تمام عالمین کا پروردگار ہے۔ اب اللہ کے ذریعہ سے اس شخص کا رشتہ تمام کائنات سے قائم ہو گیا اور چونکہ خداوند عالم تمام عالمین سے کیساں تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے ذریعہ سے جو رشتہ قائم ہوا اس میں اپنے عزیز اور غیر۔ اپنے دوست اور دشمن کی کوئی تفریق نہیں رہی۔ اسی لئے اللہ کی اس ربوبیت کا علم بلند کرنے کے لئے جو سب سے بڑا رسول بھیجا گیا۔ اس کا دائرہ عمل بھی بتایا کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ "ہم نے تم کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" اگر وہ کسی ملک کے لئے ہوتا تو ایسی تعلیم دیتا جو اس ملک کو فائدہ پہنچائے۔ وہ تو تمام خلق کے لئے تھا۔ اس لئے اس نے تعلیم بھی وہ دی جو تمام خلق کو اخوت اور مساوات کی کمری میں پرو دے۔

ہم دنیا کے لیڈروں کو دیکھتے ہیں کہ جس ملک میں گئے وہاں والوں کی طبیعت کے مطابق باتیں کہنے لگے۔ ہمارے یہاں کا کوئی سفیر ایران جائے تو وہ وہاں ہی بیان کرے گا کہ ہمارے تعلقات ایران کے ساتھ کتنے

قدیم ہیں۔ اگر عراق ہمارے تو وہاں عراق کے ساتھ اپنے قدیم تعلقات کا
 تذکرہ کرے گا۔ مگر یہ پیغمبر اسلام ﷺ تھے کہ عرب کے اندر بھیج کر یہ اعلان
 فرما رہے تھے۔ کہ لَا فَخْرَ لِلْقُرَشِيِّ عَلَى عَيْدِ الْقُرَشِيِّ وَلَا لِلْعَرَبِيِّ عَلَى
 عَيْدِ الْعَرَبِيِّ كَلِمَةُ أَوْلَادِ آدَمَ "کوئی فخر نہیں قرشی کو غیر قرشی پر اور
 عرب کو غیر عرب پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو۔" اس اعلان کی اتنی ثنیت
 اس وقت نہ ہوتی کہ جب آپ ایران تشریف لے گئے ہوتے۔ اور
 وہاں کسی تقریر میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہوتے۔

آج دنیا مساوات، مساوات کے لغزے لگا رہی ہے۔ مگر یہ قانونی
 مساوات کس کام کی۔ جس کا پس منظر دماغ کے اندر کچھ نہیں۔

دنیا چاہتی ہے کہ مساوات سے اخوت قائم کرے۔ حالانکہ صحیح اصول
 یہ ہے کہ پہلے احساس اخوت پیدا ہو اور اخوت سے مساوات قائم ہو
 کیونکہ مساوات ایک خارجی عمل ہے۔ اور اخوت ایک اندرونی تصور ہے
 جب تک اندرونی دنیا میں احساس اخوت پیدا نہ ہوگا۔ مساوات کی
 جو عمارت کھڑی کی جائیگی وہ بے بنیاد ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ اخوت کیونکر قائم ہو۔ تو اس کی بنیاد ہے وہی۔ جسے
 رب العالمین کے لفظ سے اسلام نے پیش کیا۔ کیونکہ اخوت کے معنی
 یہ ہیں کہ کوئی کثرت کسی وحدت کی طرف منسوب ہو جائے۔ یہاں تک کہ
 سکے بھائی اسی لئے بھائی ہیں کہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔
 اسی طرح ایک برادری کے افراد ایک مورث اعلیٰ کی نسل کے

اشخاص ہیں۔ ہم وطن، ایک دیس کے رہنے والے اور یہاں تک کہ اب دنیا سمت آفتاب کی وحدت کو مرکز بنائے ہوئے ہے۔ اور مسائل پر یوں غور ہوتا ہے کہ کون مشرق کے لئے مفید ہے اور کون مغرب کے لئے۔ اب اگر کوئی مرکز ایسا سلئے آجائے جو مشرق اور مغرب کے فرق کو بھی دور کر دے تو وہ تمام اہل عالم کے لئے معیار اخوت بن جائے گا۔ اس مرکز کا قرآن نے پتہ دیا۔ یہ کہ کہ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ "اللہ ہی مشرق کا پروردگار ہے اور اللہ ہی مغرب کا بھی پروردگار" رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ پورب اور پچیم دونوں اسی کے ہیں۔ اس طرح تمام عالم کے آخری مرکز کو بتا دیا اور جبکہ دنیا اس چودھویں صدی میں مشرق اور مغرب پر تقسیم ہو گئی ہے تو اس کے بعد دنیا کے ارتقاء کا قدم ہی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ مشرق و مغرب میں بھی ایک نقطہ مشترک کا تصور کر لے اور وہ دونوں کے پروردگار کی ذات ہے۔

اور رب العالمین کا تصور تو اس کے بھی آگے ہے۔ دنیا آج مریخ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ دوسرے سیارات میں بھی آبادیوں کے انکشاف کی فکر ہے۔ پھر یہ تو اس نظام شمسی کے اجڑا ہوا اس کے آگے دوسرے سورج اور پھر ان کے نظامات اور ان کے سیارات میں آبادیوں کا امکان مگر جہاں جہاں بھی مخلوق بستی ہو وہ عالمین کے دائرہ سے باہر کبھی نہیں جاسکتی جہاں تک قرآن نے اسلامی اخوت کے دائرہ میں پہلے سے وسعت کا پتہ دے دیا ہے۔

مریخ ہو یا چاند یا کوئی اور سیارہ۔ بلکہ اس کے آگے کسی نظام شمسی کا کوئی بڑا جہاں بھی پہنچ جاؤ وہاں اسی پروردگار کی خدائی ہوگی اور وہاں کے رہنے والے اس کے رشتہ سے تمہارے بھائی ہوں گے۔

اس طرح اسلام نے وحدتِ خالق کو اتحادِ خلایق کا ذریعہ قرار دیا۔ اور اسی معیار پر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق الناس تو اُم قرار دیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ پر تشریف لے جا رہے تھے حضرت مرکب پر سوار ہو چکے ہیں۔ رنقلے سفر بہت سے روانہ ہو چکے ہیں۔ کہ ایک عرب نے لجام فرس کو ہاتھ سے پکڑ کر رہا۔ اُخْبِرْنِي عَنْ الدِّينِ کَلَّمْتُ "مجھے پورا دین بتا دیجئے" اس وقت کے علمائے اسلام میں کوئی ہوتا تو اول تو اس کے علم میں اس سوال کی سمائی نہ ہوتی۔ وہ فوراً سوچنے لگتا کہ اس سوال کے جواب میں کے صحیفوں کی کتاب لکھنا ہوگی اور پھر اخلاق میں اتنی وسعت نہ ہوتی۔ مہل سفر کا منہ کام روانگی کا پورا سامان اور اس وقت یہ عظیم الشان سوال بالیقیناً تیوریوں پر مبنی جلتے اور کہا جاتا کہ بھلا یہ وقت اس مسئلہ کے پوچھنے کا ہے۔ لیکن وہاں ایک طرف علمی اقتدار یہ تھا کہ دریا کوزہ میں بند کیا جاسکتا تھا۔ اور دوسری طرف اخلاق میں وسعت اتنی تھی کہ پیشانی پر شکن نہ آئی۔ آپ نے جواب دیا۔ اس جواب کو سننے سے پہلے پھر وقت کی نزاکت کا اندازہ کر لیجئے۔ یعنی سفر درپیش ہے۔ رنقلہ روانہ ہو چکے ہیں۔ رسول بھی مرکب پر سوار ہیں۔ تو اب اس وقت جو جواب دیا جائے گا اس میں کوئی بڑا

غیر ضروری تو قطعاً نہیں ہو سکتا۔

اب بلا غلط ہو کہ رسول کیا جواب دیتے ہیں؟ سوال تھا کہ اَخْبِرْنِي عَنْ
الدِّينِ بِكَلِمَةٍ - پیغمبر خدا پر جواب دیتے ہیں۔
الطَّاعَةُ لِلْخَالِقِ وَالسَّفَقَةُ عَلَى الْمَخْلُوقِ - پورا دین یہ ہے
"اللہ کی اطاعت اور مخلوق پر شفقت"

بس یہی تمدن اسلامی ہے۔ یہی وہ دین ہے جو ہزاروں صفحوں کی کتابوں
میں بیان ہو سکتا ہے اور اسی کو حضرت پیغمبر خدا نے ایک فقرہ میں بیان فرما دیا
اس میں تمام اصول معاشرت ہیں۔ اس میں حقوق دوستاں بھی ہیں اور حقوق دشمنان
بھی حقوق موافقین بھی ہیں اور حقوق مخالفین بھی حقوق بیگانگان بھی ہیں اور
حقوق بیگانگان بھی۔

آج دنیا میں انسانی حقوق کا پھر چاہے منشور حقوق انسانی مرتب ہوا ہے اور
اسی کی بنا پر معاہدات ہو رہے ہیں۔ مگر اس کی بنیاد چودہ سو برس پہلے حضرت
محمد عربیؐ کے ہاتھ سے قائم ہوئی۔ انہوں نے حقوق انسانی کا منشور تمام حدود
و تفصیلات کے ساتھ شائع کر دیا۔ اور اپنے عمل سے جتنی جاگتی شکل میں
دلھا دیا۔ اور بتا دیا کہ انسانی حقوق کیا ہوتے ہیں اور وہ کس طرح ادا ہوتے ہیں۔
مکہ کی وہ پُر آشوب زندگی جو ۱۳ سال کی طویل مدت میں بسر ہوئی، اسی
زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک عورت روزانہ حضرت کے سر مبارک پر حجب
آپ اس راستے سے گزرتے تھے جس و غاشاک یعنی گھر کا کوڑا کرکٹ پھینک دیا
کرتی تھی۔ یہ روز کا معمول تھا حضرت نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ وہ راستہ

توک کیا۔ چند دن ایسے گزر گئے کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ حضرت راستے سے گزرتے رہے اور وہ کوڑا جو پھینکا جاتا تھا پھینکا نہ گیا۔ اب حضورؐ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ ہمارے سر پر روزانہ کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی، وہ کہاں گئی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کئی روز سے بیمار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس کا گھر بتا دوں کہ ہم اس کی عیادت کر لیں۔ لوگوں نے گھر بتا دیا۔ حضرتؐ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ عودت نے جب حضرتؐ کو دیکھا تو اپنی سبت خیالی سے کہا کہ تم اس وقت مجھ سے بدلا لینے آئے ہو جب میں بیمار ہوں! حضورؐ نے فرمایا کہ اے کینیز خدا! میں بدلا لینے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ یہ سن کر کہ تم بیمار ہو تمہاری عیادت کو آیا ہوں۔ نتیجہ کو نہ دیکھئے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گئی۔ یہ دیکھئے کہ جب آپ عیادت کو تشریف لے گئے ہیں اس وقت تو وہ کافرہ تھی۔ تو یہ عیادت کو جانا کون سے حق کا ادا کرنا تھا۔ حق الہیانی تو اس کا کوئی تھا نہیں۔ ماننا پڑیگا کہ یہ حق انسانی تھا جو ادا کیا جا رہا تھا۔ یعنی ایک انسان کا حق دوسرے انسان پر یہ ہے کہ وہ اسکے دکھ درد میں کام آئے اور اس کے ساتھ ہمدردی کرے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حاتم طائیؓ کی بیٹی حضورؐ کی خدمت میں آتی ہے تو آپ اس کی تعظیم کو کھڑے ہو جلتے ہیں اور اپنی عبا کو اس کے لئے فرش کر دیتے ہیں لوگ بعد میں کہتے ہیں کہ حضورؐ یہ تو کافرہ ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ یہ بڑاؤ کیوں کیا؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ اَکْرِمُوا کُلَّ رَسُوْلٍ مِّنْ قَوْمٍ ہر قوم میں جو صاحبِ اوصافِ افراد ہوں ان کی عزت کرنا چاہئے، معلوم ہوا کہ یہ حق انسانی ہے۔ حق الہیانی نہیں ہے پھر مہمان کیلئے صاف کہا گیا کہ اَکْرِمُوا الضَّعِیْفَ وَ الْوُکُلَّ کَانَ کَافِرًا مہمان کی خدمت داری

اسلام میں دو وصف قابلِ عزت ہیں۔ ایک مسلم اور دوسرے مومن اور نقص قرآن مومن کا درجہ مسلم سے بلند ہے۔ قرآن مجید میں ہے:- قَالَتِ الْأَعْرَابُ لَهْمَا قَتْلَ لَمْ تَوُفُّوْا وَاٰلَکِنْ قُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاٰیْمَانُ فِی قُلُوْبِکُمْ یہ صحرائی عرب آکر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ کہو کہ تم ایمان نہیں لائے ہو۔ ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے۔ ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے "معلوم ہوا کہ اسلام آسان ہے، ایمان مشکل ہے۔ مسلم کا درجہ پہلے حاصل ہو جاتا ہے اور مومن کا درجہ بعد کو حاصل ہوتا ہے۔ اب ایک حدیث میرے پیش نظر ہے: جو مسلم کے بارے میں ہے اور ایک حدیث مومن کے بارے میں ہے مسلم کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ "الْمُسْلِمُ مَنْ مَّسَّكُمُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ يَدِهِ دَلِيلًا" مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں "اور مومن کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ "الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَ جَارَهُ وَالْقُرْبَى" مومن وہ ہے کہ جس کے خطرے سے اس کے پڑوسی مطمئن رہیں "اب ظاہر ہے کہ پڑوسی کے معنی کسی قوم و ملت کے نہیں ہیں۔ یہ حقوق انسانی ہیں جن کا ادا کرنا رکنِ ایمان ہے۔

مسافات یعنی مشترک حقوق میں خاندانوں اور شخصیتوں کے فرق کو نظر انداز کرنا
اس میں سب سے مشکل خود اپنی ذات کے ساتھ مساوات برتنا ہے۔ حضرت پیغمبر اسلام
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی جو مثال پیش فرمائی ہے وہ تاریخ عالم میں بے نظیر
ہے۔ حضرت مرضی الموت میں مبتلا ہیں اور اسی عالم بیماری میں اعلان ہوتا ہے کہ مسلمان
مکہ میں جمع ہو جائیں۔ حضرت خطبہ ارشاد فرمائیں گے مسلمان جمع ہو جاتے ہیں

حضرت مسجد میں خطبہ ارشاد فرماتے ہیں اور اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ عنقریب میں داعی الہی کی صدا پر لبیک کہوں گا اور تم سے رخصت ہو جاؤں گا تو تم میں سے جس کو میرا ہاتھ سے کوئی ایذا پہنچی ہو وہ مجھ سے بدلا لے لے۔ یہ سن کر مجمع میں سے سوادہ بن قیس ایک شخص کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ایک دن حضور ناقہ پر سوار تھے اور کہیں تشریف لئے جا رہے تھے ناقہ نے چلنے میں کچھ کمی کی۔ حضورؐ نے تازیانہ کو جنبش دی۔ میں قریب سے گزر رہا تھا وہ تازیانہ میری پشت پر پڑ گیا۔ مجھے یہ ایذا آپ کے ہاتھ سے پہنچی ہے۔

اس دعوے کی نوعیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مستغیث کے بیان میں خود مستغاث علیہ کی صفائی موجود ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ حضورؐ کا ارادہ ناقہ کو تنبیہ کرنے کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی خود خطا ہو کہ یہ تازیانہ کی زد پر آ گیا ہو۔ کسی اور کے خلاف اگر یہ استغاثہ ہوتا تو یقین ہے کہ خود اس نعمت کے بیان پر اسے بری قرار دے دیا جاتا مگر چونکہ دعوے خود آپؐ کے خلاف تھا۔ آپؐ نے جائز صفائی بھی پیش نہیں فرمائی اور بلالؓ سے فرمایا کہ جا کر ہمارا وہ تازیانہ لے آؤ۔ بلالؓ تازیانہ لائے۔ حضرتؐ نے تازیانہ اس شخص کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ تازیانہ حاضر ہے۔ اپنا بدلا لے لو۔ سوادہ نے کہا۔ کہ حیب حضورؐ کا تازیانہ میری پشت پر پڑا تھا تو میرے جسم پر پیراہن نہ تھا۔ اس لئے مجھے اذیت زیادہ ہوئی تھی۔ حضرتؐ نے اپنی پشت مبارک پر سے پیراہن ہٹا دیا اور فرمایا جس طرح تم کو ایذا پہنچی تھی اسی طرح مجھے پہنچاؤ۔ اب وہ شخص پشت مبارک کے بوسے لینے لگا۔ اور کہا میری کیا مجال ہے جو اس جسم کو تازیانہ سے مس کر دوں۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ مروت کا عمل نہیں ہے۔ یا

تو بدلا لویا کہو کہ میں نے معاف کیا۔ اس شخص نے رور و کر کہا کہ میں آپ کو معاف کر دیا
تب حضرت کو تسکین ہوئی۔

یہ ہے اسلامی تمدن کا خاکہ۔ اس کے اجزا پر پھر غور کر لیجئے۔ کائنات کی کوئی
شے معبود نہیں۔ اس لئے کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں۔ ہاں ایک تنہا را معبود ہے
جو عدل و احسان اور ہر طرح کے رشتوں کے قیام و تحفظ کا طلبگار اور ہر ستم کے ظلم و
ستم، بے اعتدالی اور سیاہ کاری سے مانع ہے۔ اس کی عبادت کرنا چاہئے اور اس کی
بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اخلاقی و اجتماعی حدود و قیود کا پابند رہے، اور
اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور پھر وہ ہمارا پروردگار تمام عالمین کا پروردگار ہے
اس لئے ہمارا بلا تفریق رنگ، نسل و وطن وغیرہ تمام افراد بشر سے رشتہ ہے
اور ان کے مفادات کے تحفظ کے ہم ذمہ دار ہیں۔

اس داغ بیل پر کسی نظام معاشرہ کی داغ بیل پڑے تو کیا دنیا کا کوئی فرد اس
سے پریشان ہو سکتا ہے؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن کے نام سے اکثر و بیشتر
جو نمونے پیش ہوئے وہ قیصریت و کسرویت یا فرعونیت و شدادیت سے
بہت تھوڑے ہی مختلف تھے۔ ان میں "شاہنشہیت" کا اتنا غلبہ تھا کہ دنیا دین اسلام
سے بدظن ہو گئی اور اس لئے وہ نظام اسلامی کے نام سے پھرا جاتی ہے۔

نظام اسلامی میں حاکم کے خالص کتنے سخت ہوتے ہیں۔ اسے حضرت علی بن ابی طالب
کے ان الفاظ میں دیکھئے جو انہوں نے مالک اشتر کو مصر کا حاکم بناتے وقت لکھتے فرماتے ہیں
"میں تم کو ایسی جگہ حاکم بنا کر بھیج رہا ہوں جہاں مختلف مذاہب و مسلک کے لوگ

رہتے ہیں۔ یاد رکھو تم پر ان سب کے حقوق کی ذمہ داری ہے۔ لافہرما ما اخ
 لاٹ فی الدین اور نظر للک فی الخلق اس لئے کہ وہ جس مذہب کے بھی
 ہوں بہر حال یا تو تمہارے دینی بھائی ہوں گے اور یا تمہاری ہی طرح اللہ کے مخلوق ہوں
 گے۔ خدا ان سب کے حقوق کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا۔
 پھر اسی مکتوب میں اس سوال کا جواب دیا ہے جو آج ہر ملک کی با اقتدار
 طاقت کی طرف سے اس ملک کی اقلیت کے سامنے پیش ہوتا ہے کہ ہم کیونکر یقین
 کریں کہ تم وفادار رہو گے۔ آپ فرماتے ہیں۔

لیکن حسن ثقتک بہم بمقدار حسن صنیعک معہم
 ”تمہارا اعتماد اپنی رعایا کی وفاداری پر اتنا ہونا چاہئے جتنا تمہارا سلوک ان سے اچھا ہو“
 اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ان سے پوچھنے کی بات نہیں ہے کہ تم وفادار ہو گے
 یا نہیں۔ بلکہ یہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی چیز ہے کہ آپ کا سلوک
 ان کے ساتھ کیسا ہے۔

جو تمدن افرادِ خلق کے اندر اس فرض شناسی، حدود شناسی اور
 حقوق شناسی کے ساتھ قائم ہو وہ تمدن اسلامی ہوگا۔ ورنہ نام چاہے
 جو کچھ رکھ لیجئے اور کاغذ پر اس کے دستور میں کتنی ہی خوشنما باتیں لکھ
 دیجئے اس معاشرہ اور تمدن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

معارف اسلامیہ آل محمد کے انوارِ علیہ سے تاریک ماحول کو منور کرنے کے لئے
 امامیہ مشن کی تبلیغی تنظیم میں شمولیت آپ کی زندگی کا اہم کارنامہ ثابت ہوگا۔
 فارم رکنیت اور ترسیل زر کا پتہ
 سید حسن علی شاہ کاظمی سیکرٹری امامیہ مشن لاہور۔